بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن سے ہندوستان کے علمی اور اسلامی ادارے بخوبی واقف ہیں۔ اگرچہ مولانا جس مادر علمی (دارالعلوم دیوبند) کے فرزند رشید ہیں، ہم کو بھی اس سے نسبت کا شرف حاصل ہے۔ لیکن سن وسال اور مختلف فضائل ومناقب کے جامع ہونے کی وجہ سے ہم مولانا کو اپنا مخدوم اور بزرگ سمجھتے ہیں اور اب ہمیں اس حقیقت کا اظہار کرنے میں مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ خود مولانا بھی ہم کو اپنا عزیز اور محب یقین کرتے ہیں اور اب گذشتہ چند ماہ سے تو موصوف کی التفات فرمائیاں اس قدر پیہم اور مسلسل ہوگئی ہیں کہ

یونہی رہی عنایت اہلِ نظر اگر گذرے گی اپنی عمر ادائے سپاس میں

ہر شخص جانتا ہے کہ ہم نہ خود ستائی کے عادی ہیں اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ خواہ مخواہ ہماری تعریف کریں، یہی وجہ ہے کہ دفتر میں آئے دن ندوۃ المصنفین کی کتابوں اور برہان کے مضامین کی نسبت جو تعریفی خطوط موصول ہوتے رہتے ہیں۔ یا مختلف وقیع رسائل وجرائد وقتاً فوقتاً از خود یا ہماری کسی کتاب پر تنقید کے سلسلہ میں جو تعریفی جملے لکھتے رہتے ہیں، ہم نے آج تک ان میں سے کسی ایک کا ذکر بھی برہان میں نہیں کیا لیکن گذشتہ مہینہ کے دو خطوں میں ہمارے مخدوم نے جن محبت بھرے الفاظ میں ہماری حوصلہ افزائی کی ہے اور جس خلوص سے ہمیں دعائیں دی ہیں جذبۂ تشکر وامتنان کا تقاضا ہے کہ ان کو قارئین برہان تک بھی پہنچا دیا جائے

مولانا اپنے مکتوب مورخہ ۱۲ شعبان میں لکھتے ہیں۔

"برہان جس معیار پر قائم ہو چکا ہے اس کا عین الیقین نہ سہی حق الیقین کا مقام تو ضروری ہے، آپ کے اخلاص،

محنت، شوق اور ولولہ کا قلب پر بہت اثر ہے۔ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ چل چلاؤ کا وقت ہے اور کچھ یہی حال ان ہم سفروں کا ہے جن کے ساتھ زندگی کا سفر شروع ہوا تھا۔ آپ ہی جیسی ہستیاں ہیں جن کا تصور موت کو آسان بنا دیتا ہے۔ امید ہوتی ہے کہ اسلام کی خاطر سینہ سپر ہونے کے لئے خدا نے چند مخلص صحیح العقائد اور صحیح الاعمال نوجوانوں کو پیدا فرما دیا ہے"

پھر مکتوب گرامی مورخہ ۹ اکتوبر ۱۹۴۲ء میں فرماتے ہیں۔

"آپ جیسے کام کرنے والے نوجوانوں کی جتنی عظمت قلب میں ہے اس کا اظہار قلم سے نہیں ہو سکتا۔ ہم لوگوں کی روانگی کا وقت قریب ہے اب امتِ اسلامیہ کی باگ اس دورِ زندقہ والحاد میں ان چند ہی نوجوانوں کے ہاتھ رہیگی جو جادۂ اعتدال پر شدید مخالف حالات کے باوجود قائم رہنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔ آپ اور آپکے رفقاءِ کار کو بھی ان ہی لوگوں میں سے ایک قابلِ اعتماد حزب یقین کرتا ہوں"

پھر بڑی خوشی کی اور امید افزا بات یہ ہے کہ مولانا نے ابنائے زمانہ کی طرح محض زبانی تعریف و تحسین اور لفظی مدح و ستائش پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ جو کچھ آپ سے ہو سکتا ہے آپ برابر برہان کی علمی امداد بھی فرماتے رہتے ہیں چنانچہ قارئین کرام کو یاد ہوگا اس سال کے شروع میں "انسان اول اور قرآن" کے عنوان سے برہان میں جو قابلِ قدر مضمون کئی ماہ تک مسلسل شائع ہوتا رہا تھا وہ آپ کا ہی فرستادہ تھا اور اب "امام طحاوی" پر اس پرچہ سے جو مضمون شائع ہونا شروع ہو رہا ہے وہ بھی آپ کا ہی بھیجا ہوا ہے یہ مضمون جیسا کہ خود مولانا نے مقالہ کے پیش لفظ میں بتا دیا ہے مولانا کی نگرانی اور رہنمائی میں لکھا گیا ہے لیکن اربابِ نظر بیّن طور پر محسوس کر سکتے ہیں کہ رہنما نے کچھ اس جذبۂ یگانگت اور خلوص و یک جہتی سے رہنمائی کی ہے کہ راہرو سر تا پا رہنما بن کے رہ گیا ہے۔ طرزِ استدلال، طریقِ بحث، نکتہ آفرینی اور دقیقہ رسی، یہ سب اوصاف بتا رہے ہیں کہ استاد نے شاگرد کو بالکل اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جامعہ عثمانیہ میں دینیات کا جو بہترین انتظام ہے اور وہاں جس طرح علمی اور دینی مضامین پر طلبا سے محققانہ مضامین لکھوائے جاتے ہیں ہمارے ہندوستان کا بڑے سے بڑا "دینی او رمرکزی" مدرسہ اس کی نظیر

پیش کرنے سے عاجز ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے گریجویٹ علماء کی ان دینی اور علمی کوششوں پر ہمارے مدارس دینیہ کو جسقدر شرم اور غیرت آئے بجا ہے۔ ایک دنیوی علوم و فنون کی عظیم الشان یونیورسٹی ہے لیکن اس کے طلبار دینیات وسعت مطالعہ، عمق نظر اور استعداد تصنیف و تالیف کے لحاظ سے اس لائق ہیں کہ وہ آج کل کی علمی دنیا کو خطاب کر کے اسلامی مسائل پر فاضلانہ گفتگو کر سکیں اور "دین اور سائنس" کی موجودہ کشمکش میں کوئی قول فیصل کہہ سکیں اس کے برعکس ہماری مرکزی دینی درسگاہیں ہیں جن کے فارغ التحصیل "علماء" فقہ کے جزئی مسائل پر تو خوب پرجوش تقریریں کر سکتے ہیں لیکن ایک طرف نہ تو ان کو تاریخ، جغرافیہ، اقتصادیات وغیرہ کی کچھ خبر ہے اور دوسری جانب خود ان کے پڑھے ہوئے علوم وفنون اسلامیہ میں بھی ان کو ایسی بصیرت نہیں ہوتی کہ وہ کسی مسئلہ پر بھی خالص علمی اور تحقیقی انداز میں گفتگو کر سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ حضرات "نرے مولوی صاحب" ہو کر رہ جاتے ہیں اور ان کا دائرہ اثر و اقتدار عوام اور ان میں بھی کثرت سے وہ جو جاہل ہوتے ہیں ان تک محدود رہتا ہے، علمی حلقوں میں ان کی کوئی پرسش نہیں ہوتی۔ اور نہ اُن کی کوئی بات سُنی جاتی ہے۔ یہیں سے ہماری تعلیم یافتہ سوسائٹی میں قدیم و جدید کی تفریق رونما ہوتی ہے۔ اور دونوں میں ایسی بیگانگت اور اجنبیت پیدا ہو جاتی ہے کہ گویا دونوں میں کوئی امر مشترک ہے ہی نہیں حالانکہ اصل شاہراہ یہی تھی کہ۔

دین و دنیا بہم آمیز کہ اکسیر اینست

ہم جامعہ عثمانیہ کو شعبۂ دینیات کے اس حسن انتظام پر مبارکباد دیتے ہیں جو زمانہ کے تقاضوں کے عین مطابق ہے اور دعا کرتے ہیں کہ خدا ہمارے پرانے مدارس عربیہ دینیہ کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنی بے حسی، ہلاکت آفریں جمود و تعطل اور نہایت خطرناک تغافل و تساہل کی چادر کو منہ پر سے ہٹا کر سورج کی روشنی دیکھیں اور اپنی حالت میں انقلاب پیدا کر کے اس کو واقعی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے شایانِ شان بنا سکیں۔

مولانا نے "اسلامی نظامِ تعلیم" پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب بھی تصنیف فرمائی ہے جسے آپ نے ندوۃ المصنفین کو دینے کا وعدہ فرمالیا ہے، آپ اب اس کو صاف کرا رہے ہیں امید ہے کہ یہ کتاب جلد ہی ہمارے پاس پہنچکر زیورِ طباعت و کتابت سے آراستہ ہو کر شائع ہو سکیگی۔